غیرسودی معیشت سے سودی معیشت تک

منیر احمد ○

یہ ایک بنیادی سوال ہے کہ ”کیا معیشت سود کے بغیر چل سکتی ہے یا ماضی میں ایسے اَدوار گزرے ہیں جن میں سود کا معاشی جدوجہد میں کوئی عمل دخل نہ تھا؟ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر سودی معیشت کی پہلی منظم شکل ساتویں صدی کی ریاست مدینہ سے ملتی ہے، جس میں انسانیت کا پہلا غیر سودی معاشی نظام ساتویں سے گیارھویں صدی تک دنیا میں نافذ رہا۔ گیارھویں صدی سے لے کر پندرھویں صدی تک یورپ میں بھی سود پر کاروبار قانوناً جرم تھا۔ یہ سختی اس قدر تھی کہ اگر کوئی شخص چوری چھپے سود پر کاروبار کرنے کا مرتکب پایا جاتا تو اس پر عدالت میں مقدمہ چلتا، جرم ثابت ہونے پر سود کے طور پر لی گئی اضافی رقم عدالت کے حکم پر واپس کی جاتی۔ غیر سودی معیشت کی دوسری مثال بیسویں صدی کے اشتراکی روس سے ملتی ہے، جس میں غیر سودی معیشت نے پہلے ۵۰ برسوں میں خوب معاشی ترقی کی تھی۔ ان حوالوں کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ معیشت نہ صرف سود کے بغیر کام کرسکتی ہے بلکہ اس میں ترقی اور بڑھوتری بھی ممکن ہے۔ سود پر مزید گفتگو سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کے پہلے معاشی نظام کی مختصر روداد جسے آنے والے اوراق میں مدینہ اکنامکس کے نام سے بیان کیا جائے گا، قارئین کے سامنے رکھی جائے۔

مدینہ اکنامکس کی بنیاد قرآن کے تین الفاظ صلوٰۃ، زکوٰۃ اور یُنفِقُون پر ہے۔ صلوٰۃ اور زکوٰۃ سیاسی اور معاشی نظاموں کے قائم کرنے کے بارے میں ہے۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو آپؐ نے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کی۔ انصار اور قریش میں ’مواخات کا نظام‘

○ سابق مشیر، اسٹیٹ بنک آف پاکستان، مصنف Madina Economics، لاہور

قائم کیا اور اس کے بعد 'میثاقِ مدینہ' کیا۔ یہ صلوٰۃ کے نظام کا قیام تھا۔ صلوٰۃ صرف نماز کی ادائیگی کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل نظام ہے، جو ایمانیات، اخلاقیات اور سیاست پر مشتمل ہے۔ زکوٰۃ معاشی نظام کا نام ہے جس کے تحت لوگ مارکیٹ میں کاروبار کرتے ہیں اور اس قدر دولت کماتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے کے اہل ہوجائیں۔ صلوٰۃ کے نظام کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی مارکیٹ قائم کی تاکہ معاشی نظام کو نافذ کرسکیں۔ اس وقت مدینہ میں یہودیوں کے چار بازار تھے مگر آپؐ کو اسلامی مارکیٹ کے قیام کی اس قدر جلدی تھی کہ یہ مارکیٹ ایک بڑے خیمہ میں لگائی گئی جس میں آپؐ نے تجارت پر ٹیکس ختم کردیا۔ بہت سے تاجر اور خریدار یہودیوں کی مارکیٹ سے نکل کر خیمہ والی مارکیٹ میں آگئے۔ اس مارکیٹ کی مقبولیت سے خائف ہوکر یہودی سردار کعب بن اشرف نے اس خیمہ کی رسیاں کاٹ دیں، جس کے نیچے مارکیٹ قائم تھی۔ اس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مارکیٹ کے لیے ایک بڑا میدان تلاش کیا جائے جو یہودیوں کی مارکیٹ سے دور مگر مسجد نبویؐ سے نزدیک ہو، یعنی وہی صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا نظام۔ معاشی نظام کے نفاذ کے باوجود کچھ لوگ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ مدینہ میں ایک سوال آپؐ سے پوچھا گیا: مَاذَا يُنْفِقُوْنَ، ہم کیا خرچ کریں؟ قرآن نے اس کا جواب دیا: قُلِ العفو یعنی جو ضرورت سے زائد ہے۔ اس طرح قرآن نے ایک مکمل معاشی نظام دیا۔

مسلم دنیا میں سود پر بحث حلال اور حرام سے آگے نہیں بڑھتی، حالانکہ قرآن نے سرمایہ کے استعمال کے دو طریقے اور ان کے اثرات کی عقلی وضاحت کردی تھی۔ ساتویں صدی کو 'ایمان کا دور' (Age of Faith) کہا جاتا ہے۔ عرب کے مسلمانوں نے قرآنی احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے سود کو چھوڑ دیا۔ انھوں نے یہودیوں کی طرح سوال نہیں کیے۔ ۹ ذوالحج ۱۰ ہجری کو جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کو قطعیت کے ساتھ منع کیا، تو مدینہ کے انصار آپؐ کے پاس آئے اور پوچھا کہ باغات کی کاشتکاری کے لیے وہ یہودیوں سے سود پر قرض لیتے تھے۔ اب کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ''سلم پر پیسے لے لو'۔ 'سلم' ایک ایسا معاہدہ ہے، جس میں رقم پیشگی دی جاتی ہے اور فصل اور اشیا وغیرہ بعد میں رقم مہیا کرنے والے کے حوالے کی جاتی ہیں۔ انصار نے سود کو ترک کرکے سلم کے تحت رقم لینی شروع کردی۔

تقریباً آٹھ سو سال تک معیشت بڑی حد تک غیر سودی رہی۔ سولھویں صدی سے یورپ میں 'عقلیت کے دور' (Age of Reason) کا آغاز ہوتا ہے۔ جس میں سود نے آہستہ آہستہ معاشی امور میں اپنا عمل دخل بڑھالیا۔ انیسویں صدی میں اشتراکی نظام کے بانی کارل مارکس نے سودی نظام کی فلسفیانہ انداز میں مذمت کرتے ہوئے مدینہ اکنامکس کی طرح سود کو ہر طرح کے معاشی عمل سے نکال دیا۔ بیسویں صدی میں علامہ محمد اقبال نے قرآنی آیات کی وضاحت کرتے ہوئے سودی کاروبار کو جوئے کے مترادف قرار دیا۔ فارسی نظم میں انھوں نے سود کے بارے میں ایسی بات کہی جس کا ابھی تک ذکر نہیں ہوا تھا۔ انھوں نے کہا کہ سود پر کام کرنے والے لوگوں کے سینے سے نورِ حق، یعنی ہر طرح کی اچھائی و رنیکی ختم ہو جاتی ہے۔ قارئین کی دل چسپی کے لیے دونوں شعر درج ہیں:

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
ایں بنوک، ایں فکرِ چالاک یہود
نورِ حق از سینۂ آدم ربود

اقبال کا کہنا ہے کہ بنکاری چالاک یہودیوں کی سوچ کی موجودگی میں عقل و دانش اور تہذیب دین محض خالی اور کھوکھلے الفاظ بن کے رہ جاتے ہیں۔ مارکس اور علامہ اقبال کے سود کے بارے میں بیان اگرچہ دل چسپ ہیں، مگر یہ ایک قسم کا بیانیہ (Narrative) ہے۔ اس کی صداقت کو پرکھنے کے لیے اب معاشی اعداد و شمار دستیاب ہیں۔ پوری دنیا میں سودی معیشت ہے۔ ذہن میں ایک سوال آتا ہے کہ سرمایہ کا استعمال بطور سود کے اثرات کو قرآن کی روشنی میں جانچا جاسکتا ہے؟ یعنی ایک قسم کی عددی شہادت (statistical evidence) کی ضرورت ہے کہ سود کے کاروبار میں تباہی اور ہلاکت کیونکر اور کیسے ہے؟ ۲۰۰۸ء میں یورپ اور امریکا میں برپا ہونے والے مالی بحران نے قرآن کی بیان کردہ وضاحت کو یہ شہادت فراہم کردی۔ بقول اقبال: 'پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے'۔ اس موضوع کو ہم تفصیل کے ساتھ خالصتاً معاشی انداز میں بیان کریں گے۔

سرمایہ کا ارتقا

معاشی ترقی کی پہلی شکل کو ہم 'شکاری دور' (Hunter Gatherer Age) کے نام سے

جانتے ہیں۔ اس دور میں سرمایہ ان چند نوکیلے پتھروں اور درختوں کی ہتھیار نما شاخوں پر مشتمل تھا جو جانوروں کے شکار کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ اگلے دور میں جسے 'نیولتھک دور' (Neolithic Age) کہتے ہیں، انسان نے فصلیں اگانا اور جانوروں کو سدھانا سیکھ لیا تھا۔ اب سرمایہ آلاتِ زراعت، بیج اور جانوروں کی شکل میں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کا پہلا سود اس دور میں وجود میں آیا جب ایک کسان نے اپنے دوسرے کسان کو فصل اُگانے کے لیے بیج ایک خاص مقدار میں اُدھار دیا اور فصل کاٹنے پر ادھار دیے گئے بیج سے زیادہ کا مطالبہ کیا۔ یہ جنس کے بدلے جنس کا سودی تبادلہ تھا۔ اس میں دورِ حاضر کے سود کی دونوں باتیں موجود تھیں، یعنی زائد اور مؤخر ادائیگی۔ تاریخ ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ فصل نہ اگنے کی صورت میں سودی معاملات کیسے طے ہوئے ہوں گے۔ شاید ادھار دینے والے کسان نے کوئی مطالبہ ہی نہ کیا ہو۔ کیونکہ فصل تو پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ دوسرے سال فصل کی کٹائی کے بعد ادھار لینے والے کسان نے خود اپنی مرضی سے طے شدہ مقدار سے بھی زیادہ بیج واپس کر دیا ہو کیونکہ ادھار دینے والے کسان نے فصل نہ ہونے کی صورت میں بیج کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ دراصل یہ لین دین کی خوب صورتی ہے جو اشیا کے بدلے اشیا کے تبادلے کے دور (Bartar Age) میں موجود تھی۔

زر کی ایجاد (Advent of Money) نے کاروبار میں تو آسانی پیدا کی مگر سودی کاروبار کی راہ بھی ہموار کر دی۔ اب سرمایے کے دو استعمال ہو گئے۔ ایک زر کا بطور تبادلہ (Medium of Exchange) استعمال جس سے اشیا مثلاً گندم، چاول اور دوسری چیزوں کا تبادلہ (Exchange) ممکن ہو مگر ساتھ ہی زر کو اشیا کی طرح (چاول، گندم کی طرح) بیچا اور خریدا جانے لگا، یعنی Use of money as commodity۔ ساتویں صدی کے عرب میں سرمایہ کے یہ دونوں استعمال موجود تھے۔ سرمایہ والے افراد کے پاس دو راستے تھے۔ یا تو وہ خود سرمایہ کو اشیا کی خرید و فروخت میں استعمال کرے اور نفع اور نقصان کی ذمہ داری لے جسے عربی میں 'بیع' کہتے ہیں یا پھر اس سرمایہ کی کسی دوسرے کو مخصوص عرصہ کے لیے اور اضافی ادائیگی پر قرض دے کر یقینی منافع کما لے۔ عربی میں اسے 'ربوٰ' کہتے ہیں۔ قرآن نے سرمایہ کے استعمال بطور بیع کو حلال اور ربوٰ کو حرام قرار دیا جس پر مدینہ کے یہودیوں نے سوال اٹھایا کہ 'بیع' اور 'ربوٰ' تو تجارت کی دو شکلیں ہیں اور ایک دوسرے کی

مانند ہیں۔قرآن کا ایک انداز فرقان کا بھی ہے جس میں صورت حال کو حتمی طور پر واضح کر دیا جاتا ہے ۔قرآن نے وضاحت کی کہ بیع کے استعمال میں فلاح ہے اور سود میں ہلاکت اور تباہی ہے۔ سادہ الفاظ میں سود کا معاشی عمل میں کوئی کردار نہیں ہے ۔جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ ساتویں صدی سے لے کر پندرھویں صدی تک اقوام عالم کی معیشتیں بڑی حد تک غیر سودی تھیں۔ سود افرادی سطح پر موجود تو تھا مگر معاشی جدوجہد میں اس کی بہت زیادہ اہمیت نہ تھی۔

سودی کاروبار کا عروج

اٹھارھویں صدی کے صنعتی انقلاب کے دوران پیداوار بڑھانے کے لیے سرمایہ کی بہت ضرورت تھی ۔اسی دور (۱۷۷۶ء) میں ایڈم سمتھ نے انسانیت کے دوسرے معاشی نظام، یعنی ’سرمایہ داری‘ کی داغ بیل ڈالی،جس میں محض سرمایے کو بڑھانے کے لیے ضروری تھا کہ اسے اشیا کی پیداوار اور مارکیٹ میں اشیا کے تبادلے (Exchange) کے لیے استعمال کیا جائے۔سرمایے کی بڑھوتری کے اس نظام میں ایڈم سمتھ نے اسلام کی طرح سود کے کاروبار کو منع نہیں کیا۔صنعتی انقلاب کے دوران سرمایہ کا استعمال بطور سود بھی فروغ پا گیا،جس نے ایک سو سال کے عرصے میں معاشی امور میں اپنا عمل دخل بڑھا لیا۔اب سود افرادی سطح سے اداراتی شکل میں آگیا ہے۔کیونکہ بنکوں کا بنیادی کام ہی زر کی خرید وفروخت تھا۔انیسویں صدی کے آخری دو دہائیوں میں سود نے تقریباً ساری دنیا میں عالم گیر حیثیت حاصل کر لی تھی اور سود کے استحصالی اثرات نمایاں طور پر واضح تھے۔سرمایہ کے دوگونہ استعمال (بیع اور ربوٰ) سے ترقی ضرور ہوئی تھی، مگر معاشرے میں امیر اور غریب کی تقسیم نہایت گہری ہوگئی جس میں غریب مزدور کی حالت خراب سے خراب تر ہو کر رہ گئی ۔ اسی استحصال نے انسانیت کے تیسرے معاشی نظام: اشتراکیت کو جنم دیا۔

یہاں یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ اکنامکس کے چار سو سال میں معاشی نظام بیع پر مبنی تھا،جس سے ہونے والی ترقی کے باعث معاشرے میں مشترکہ خوش حالی (Shared prosperity) آئی تھی مگر سودی کاروبار نے ۱۰۰ سو سال کے عرصے میں ہی قرآنی احکامات کی صداقت کی نشان دہی شروع کر دی تھی۔اشتراکیت کی بنیاد اس دور کا استحصالی معاشی نظام تھا۔ کارل مارکس نے بھی سرمایہ کو اشیا کے پیدا کرنے (بیع) کی حمایت اور سودی استعمال کی شدید مذمت کی۔

کارل مارکس نے کہا کہ جب سرمایہ اشیا پیدا کرنے میں استعمال ہوتا ہے تو اس سے قدر (value) پیدا ہوتی ہے، جب کہ سودی سرمایہ کے استعمال سے منفی قدر (Anti value) جنم لیتی ہے جو معاشی استحصال کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے اشتراکیت میں سودی کاروبار کی کوئی گنجایش نہیں تھی۔ کارل مارکس کا 'نظریہ قدرِزر' سرمایے کو بیع کے طور پر استعمال کے بارے میں ہے جس کے مطابق پیداواری عمل میں محنت (مزدور) کا معاوضہ کم دیا جاتا ہے۔ سادہ الفاظ میں پیداواری عمل کے باعث قدرِزائد (Surplus value) پیدا ہوتی ہے، جس کا بڑا حصّہ سرمایہ دار لے جاتا ہے اور مزدور جس کا قدرِزائد کے پیدا کرنے میں بڑا ہاتھ ہوتا ہے اپنے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہاں ہم پھر ایک بار ساتویں صدی کی مدینہ اکنامکس کی طرف لوٹتے ہیں جس میں سود کی ممانعت کے ساتھ ساتھ بیع کے کاروبار میں اخلاقی اور قانونی ضوابط ہیں، جس کے باعث معاشی تگ و دو معاشرے میں سماجی اور اخلاقی ہم آہنگی کا باعث بنتی ہے جس کی بنیاد قرآن کے الفاظ قُلِ العفو میں پوشیدہ ہے۔ یعنی محنت سے کمائی ہوئی آمدنی اگر ایک فرد کی ضروریات سے زائد ہے تو ان لوگوں کو دے دی جائے جو معاشی دوڑ میں دوسروں سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ اگر مارکس، دانشِ بُرہان پر مبنی مدینہ اکنامکس سے واقف ہوتا تو شاید اشتراکیت کی شکل کچھ اور ہوتی۔ بہرحال مارکس کی سودی کاروبار کی شدید مخالفت کے باوجود نظام بنکاری نے سودی کاروبار کو چار چاند لگا دیے۔

کارل مارکس ۱۸۸۲ء میں فوت ہوا۔ اس سے پہلے اس نے سرمایہ داری کے سفینے کے ڈوبنے کی بات کی جو لوگوں کو سمجھ نہ آئی، تاہم انسانیت، سودی کاروبار کو اپنے ماتھے پر سجا کر بیسویں صدی میں داخل ہوئی۔ اس صدی میں شاعر و فلاسفر علامہ اقبال نے سود کو آڑے ہاتھوں لیا اور پوری مغربی تہذیب کی اپنے ہی خنجر سے خودکشی کی پیش گوئی کر دی۔ مارکس کی طرح علامہ اقبال کی بات بھی اس دور کے حالات کے تناظر میں درست نہیں لگتی تھی۔ ۱۹۱۷ء میں روس میں اشتراکی نظام قائم ہو چکا تھا اور مغربی دنیا میں سود کا جادو سر چڑھ کے بول رہا تھا، مگر علامہ اقبال نظام سرمایہ داری پر مبنی مغربی تہذیب کی خود اپنے ہاتھوں تباہی کا پیغام دے رہے تھے۔

سودی کاروبار کے مضر اثرات

۱۹۲۰ء کے عشرے کو مغربی معاشی ادب میں Roaring Twenties کے نام سے یاد

کیا جاتا ہے۔اس دس سالہ دور میں معاشی ترقی نے سابقہ ریکارڈ توڑ ڈالے۔اس کمال میں سودی سرمایہ ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد منافع (سود) کی تلاش میں شترِ بے مہار کی طرح ہر طرف سرگرداں تھا۔ ۱۹۳۰ء میں یورپ اور امریکا 'عظیم معاشی بحران' (Great Depression) سے دوچار ہوئے۔اس بحران کی بڑی وجہ سود پر مبنی مالیاتی اداروں کو قرار دیا گیا۔شکاگو یونی ورسٹی نے محدود بنکاری کا نظریہ دیا تاکہ سود کی تباہ کاریوں سے بچا جائے۔۱۹۳۶ء میں 'گلاس سٹیگل ایکٹ' پاس ہوا جس کے تحت امریکا میں انوسٹمنٹ بنکوں کو تجارتی بنکوں سے قانون کے ذریعے الگ کر دیا گیا۔اس علیحدگی کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ حقیقی شعبہ (Real Sector)، یعنی بیع کے کاروبار کو سودی کاروبار کی ہلاکت سے دور رکھا جائے۔ ۱۹۴۰ء کے عشرے کے چار سال دوسری جنگِ عظیم لے گئی اور بعد کے ۱۵ سال میں یورپ اور امریکا جنگ کی تباہ کاریوں سے پیدا ہونے والی معاشی بدحالی کی اصلاح میں لگے رہے، جب کہ اس دوران روس کی غیر سودی معیشت نے خوب ترقی کی۔ ۱۹۷۰ء سے مغربی ممالک میں معاشی ترقی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔جو ۱۹۸۰ء کے عشرے میں مزید بہتر ہوگیا۔اس اثنا میں روس کی غیر سودی معیشت شدید دباؤ اور گمبھیر مسائل کا شکار ہوکر ۱۹۹۰ء کے آغاز میں مکمل طور پر منہدم ہوگئی۔

اشتراکیت کے خاتمے پر اہلِ مغرب نے سود پر مبنی نظام سرمایہ داری کی افادیت اور فعالیت کے خوب شادیانے بجائے۔گویا ساری دنیا سرمایہ داری کے معاشی نظام کے تحت آگئی اور یہ توقع ظاہر کی گئی کہ ساری انسانیت کا اب یہ معاشی نظام ہے کیونکہ ساتویں صدی کی مدینہ اکنامکس ماضی کے دھندلکوں میں اس قدر پوشیدہ اور گم ہوئی تھی کہ کسی نے اس کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ۱۹۹۰ء کا عشرہ دراصل سود کی فتح اور کامرانی کا دور ہے مگر ایک رکاوٹ ابھی تک موجود تھی۔ 'گلاس سٹیگل ایکٹ' کے تحت انوسٹمنٹ بنک اور تجارتی بنک ایک دوسرے سے دور تھے، جس کے باعث سودی کاروبار اپنے کاٹنے والے حقیقی دانت دکھانے سے قاصر تھا۔ ۱۹۹۹ء میں یہ آخری دیوار بھی ہٹا دی گئی تاکہ سودی نظام اکیسویں صدی میں فاتحانہ انداز سے داخل ہوسکے۔اکیسویں صدی کے پہلے چھے سال سودی کاروبار کے عروج و کمال کی داستان بیان کرتے ہیں۔معاشی ترقی کو اس قدر طویل کامیابی کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔انفارمیشن ٹکنالوجی کے انقلاب نے معاشی

استحکام کو مزید طاقت بخشی۔ اس دور کا معاشی منظر نامہ واقعی دلفریب تھا۔ معاشیات کا مضمون جو پچھلے سو سال سے مغرب کی یونی ورسٹیوں میں پڑھایا جارہا تھا، نئے نئے نظریات اور عملی منصوبے، معاشی فلاح کے لیے پیش کررہا تھا۔ سائنس کامیابی اور فعالیت کے حصول کے لیے پروگرام پیش کررہی تھی۔ سودی نظام کی افادیت پر اس قدر یقین تھا کہ اس کے خلاف کسی قسم کی شکایت سننا بھی گوارا نہ تھا۔ مالیاتی ادارے (تجارتی بنک اور دوسرے غیر بنک ادارے) سود پر کام کررہے تھے اور مرکزی بنک سود کے ادارے کو تحفظ فراہم کررہا تھا۔ سرمایہ کا استعمال بطور سود ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد تھا۔ معاشی تاریخ میں سودی کاروبار کو ایسی آزادی اور توقیر پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اسی دور میں مشہور معاشی جریدے The Economist نے ایک شمارے میں مرکزی بنکوں اور بنکاروں کو خدا سے تشبیہ دیتے ہوئے Central Bankers as God کے عنوان سے مضمون لکھا۔

ان سب باتوں کے باوجود اہلِ نظر کچھ اور ہی دیکھ رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ فطرت عقل و دانش کے دل دادہ حضرت انسان پر ساتویں صدی میں بیان کیے گئے قرآنی فرمودات کی صداقت ظاہر کرنا چاہتی تھی اور ۲۰۰۷ء میں ایسا ہی ہوا۔ مغربی ترقی یافتہ معیشتوں میں ایسا مالیاتی بھونچال آیا، جس نے ماضی کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے اور صرف دو سال کے عرصے میں ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ۱۰ سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا مگر اس کی 'صدماتی لہریں' (Shock waves) ابھی تک قوت پکڑ رہی ہیں۔ ۱۹۳۰ء کے 'عظیم معاشی بحران' کے بعد یہ 'دوسرا عظیم معاشی بحران' ہے، جسے 'عالمی مالیاتی بحران' (Global Financial Crisis) کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

مالی بحران کے بعد کی دنیا

بیسویں صدی میں مغربی بنکوں نے افریقہ اور ایشیا میں بھی ایسے ہی بحران پیدا کیے تھے جن کے باعث سودی بنکاری پر اعتراض کیے گئے، خاص طور پر ۹۸-۱۹۹۷ء کے ایسٹ ایشیا کے مالیاتی بحران میں 'ایشیائی شیر' (Asian Tigers) غیر ملکی بنکوں کی کارکردگی پر بہت غرّاتے اور چنگھاڑتے تھے مگر مغربی معاشی جغادریوں نے ان کی ایک نہ سنی اور بحران کی وجہ ایشائی ممالک میں رائج Crony Capitalism قرار پائی۔ ۲۰۰۸ء کا مالی بحران مغرب کے ترقی یافتہ ممالک میں برپا ہوا۔ اب اہلِ مغرب بے بس اور لاجواب ہیں۔ بعض لوگوں نے مغرب میں رائج نظام

سرمایہ داری کو 'جواری سرمایہ داری' (Casino Capitalism) کہا ہے۔ اس سے علامہ اقبال کی 'ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے' والی بات ثابت ہوگئی۔ اس بحران سے سب سے بڑا دھچکا سودی کاروبار کی نظریاتی بنیاد کو لگا۔ سود کی الفت میں گرفتار مغرب میں لوگوں کا سود کی افادیت سے یقین اُٹھ گیا ہے۔ اس کا ثبوت بحران کے بعد مغرب میں شائع ہونے والا وہ معاشی ادب ہے، جس کی چند مثالیں ہم قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

۲۰۱۳ء میں یونانی ماہر معاشیات کوسٹس لیپاویٹس نے اپنی کتاب *Profiting without Producing* میں Financializaion کی اصلاح استعمال کرتے ہوئے بتایا کہ سودی نظام نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، جس کے باعث لوگوں کی سوچ، اخلاقیات اور اقدار متاثر ہوئی ہیں۔ یہی بات علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں کہی تھی کہ سود پر کام کرنے سے سینۂ آدم سے نورِ حق ختم ہوجاتا ہے۔ یونانی معیشت دان نے مزید کہا کہ سود کے کاروبار میں کوئی چیز پیدا کیے بغیر نفع کمایا جاتا ہے جیسے کہ کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے۔ ۲۰۱۴ء میں دوسری کتاب پاکستان کے دو معیشت دانوں عاطف میاں اور عامر صوفی کی ہے جس کا نام House of Debt ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب قرض کی مقدار ایک حد سے بڑھ جائے تو اکانومی میں بحران آجاتا ہے۔ ان کے مطابق اس وقت پوری مغربی دنیا قرضے کا گھر ہے۔

۲۰۱۴ء میں ایک اور کتاب فرانسیسی معاشیات دان تھامس پکٹی کی ہے۔ اس کتاب کا نام بھی بڑا دل چسپ ہے: *Capital in the Twenty First Century*۔ اس کتاب کی بازگشت آج بھی امریکا اور یورپ میں گونج رہی ہے کیونکہ انھوں نے وہ کام کیا ہے، جو کسی مسلمان مذہبی اسکالر یا اکانومسٹ کو کرنا چاہیے تھا۔ تھامس پکٹی نے مغرب کے ترقی یافتہ ممالک کا ۲۵۰ سال کے معاشی اعداد و شمار (Economic Data) حاصل کر کے ایک مساوی معیشت بنائی ہے، جس میں شماریاتی طور پر ثابت کیا کہ سرمایہ کا معاوضہ بطور سود دوسرے عاملینِ پیداوار (زمین، محنت اور آجر) سے زیادہ ہے اور جب سود کا کاروبار بڑھ جائے تو معاشرے میں دولت کی تقسیم انتہائی غیر ہموار ہوجاتی ہے، جیسا کہ ترقی یافتہ ممالک کی صورت حال سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب ایک طرح سے سود کے بارے میں قرآنی احکامات کی صداقت پر عددی شہادت ہے، جو جدید لٹریچر میں پیش نہ کی گئی

تھی اور جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

سود کے خلاف یورپ اور امریکا میں علمی یلغار جاری ہے۔ ۲۰۱۵ء ایڈایرٹرنر کی کتاب کے عنوان Between Debt and Devil [قرض اور شیطان کے درمیان] نے تو سب کو حیران کر دیا، یعنی ایک طرف قرض ہے اور دوسری طرف شیطان۔ ۲۰۱۵ء ہی میں لکھی گئی کتاب Re-Writing Rules of American Economy کی بات کرتے ہیں، جو IMF کے سابق چیف اکانومسٹ جوزف سٹگ لٹز نے تحریر کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''امریکی معیشت کے قوانین کو دوبارہ لکھنے کی ضرورت ہے جس میں زیادہ زور سود پر مبنی مالیاتی اداروں بشمول بنک کی اصلاح پر ہے''۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اہلِ مغرب کا رویہ سود کے بارے میں ہمیشہ جارحانہ (Extreme Side) رہا ہے۔ ایک وقت تھا کہ وہ سود کا کاروبار کرنے والے کے منہ پر تھوکتے تھے۔ (دیکھیے: شیکسپیئر [م: ۱۶۱۶ء] کا ڈراما، مرچنٹ آف وینس)۔ پچھلے ۵۰۰ سال سے مغربی دنیا سود کی شدید اُلفت میں گرفتار ہے۔ شاید یہ نئی سوچ پھر اس افلاطونی محبت کو نفرت میں بدل دے۔

سود کے بارے میں مغرب میں تو سوچ بدل رہی ہے مگر مسلم دنیا بشمول پاکستان میں صورتِ حال بے حسی اور جمود کا شکار ہے۔ اس سلسلے میں پاکستانی معاشرے کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: پہلا طبقہ مذہبی سکالر اور مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں پر مشتمل ہے۔ ان کے ہاں سود کی شدید مخالفت ہے مگر یہ دورِ حاضر کے اداراتی سود کی پیچیدگی اور گہرائی سے مکمل طور پر واقف نہیں ہیں۔ ۲۰۰۸ء کے مالی بحران اور اس کے بعد ہونے والے واقعات اور معاشی ادب سے بے خبری عام ہے۔ دوسرا طبقہ یونی ورسٹی کے پروفیسر اور وہاں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات کا ہے۔ ان کے ہاں بڑی حد تک سود اور اسلامی روایات کے بارے میں سردمہری اور بے اعتناعی ہے۔ ان میں کوئی جوش وجذبہ اور سوچ نہیں ہے کہ ملک میں اسلام نظام کا نفاذ کرنا ہے۔ یہ لوگ مغربی اکنامکس اور سودی بنکاری کی پیچیدگیوں اور گہرائی سے بخوبی واقف ہیں۔ ۲۰۰۸ء کے بعد شائع ہوئے معاشی ادب کو بھی انھوں نے پڑھا ہے، مگر اسلامی معاشی نظام کو جاننے یا تلاش کرنے کی کوئی تحریک یا جستجو ان میں موجود نہیں ہے۔ تیسرا طبقہ عوام اور بالخصوص تاجروں کا ہے۔ یہ لوگ اکثر اسلامی نظام کے نفاذ کی بات تو کرتے ہیں، مگر عملی طور پر کوئی پیش رفت

نہیں ہوئی۔ یہ طبقہ اکثر و بیشتر سودی بنکاری کی مخالفت تو کرتا ہے مگر ہر شہر کی ہر مارکیٹ میں کچھ لوگ سود کا کاروبار کھلے عام کرتے ہیں اور ان کے سود کی شرح بنکوں کے سود سے دو تین گنا زیادہ ہے ۔ پہلے اور تیسرے طبقے کی طرف سے ’سودی بنکوں کی نوکری کے حلال یا حرام‘ ہونے کے بارے میں اکثر سوال کیا جاتا ہے مگر کسی نے کبھی بھی یہ نہیں پوچھا کہ جو تاجر سود کی کھلی تجارت کررہے ہیں ان کا سماجی اور معاشی بائیکاٹ کرنا چاہیے یا نہیں؟‘‘

’اسلامی بنکاری‘ کے خوش نما نام اور آغاز سے ہم بہت خوش ہیں، مگر اس حقیقت کے بارے میں بے خبری ہے کہ سودی نظام کا اصل محافظ اور پاسبان تو مرکزی بنک ہی ہے۔ پاکستان میں ایک طرف سٹیٹ بنک آف پاکستان اسلامی نظام کی ترقی کے لیے کام کررہا ہے، مگر خود یہ ادارہ سر سے پاؤں تک سود میں شرابور ہے۔ ہر دو ماہ بعد شائع ہونے والی سٹیٹ بنک آف پاکستان کے مالیاتی پالیسی بیان (MPS) میں مرکزی سطح پر سود کی شرح میں ردوبدل ہی ہوتی ہے۔ دراصل سودی تجارتی بنکوں سے پہلے مرکزی بنک کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

۱۵ نومبر ۲۰۱۸ء میں شائع ہونے والے جریدے اکانومسٹ کے مطابق سرمایہ داری کی شہرت کو پچھلے عشرے میں بہت زیادہ نقصان ہوا ہے۔ آدھے سے زیادہ امریکی اب سرمایہ داری کی حمایت نہیں کرتے۔ پچھلے ۳۰ برسوں میں دونوں جانے پہچانے معاشی نظام (اشتراکیت اور سرمایہ داری) اپنی چکاچوند کھو بیٹھے ہیں۔ انسانیت اب اپنے پہلے معاشی نظام کی منتظر ہے، جس کی بنیاد دانشِ برہان پر ہے۔ اس وقت زیادہ ذمہ داری مدرسہ کے مذہبی اسکالرز اور اکنامکس کے یونی ورسٹی پروفیسروں پر ہے جو مل کر مدینہ اکنامکس کو ڈھونڈیں، جس کا نزول قرآن میں ہوا اور جس کا نفاذ ساتویں صدی کی ریاست مدینہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اس سلسلے میں ’مدرسہ سکول اتحاد‘ کی ضرورت ہے۔ ایسا ہی اتحاد انگریز دور کے ہندستان میں دیوبند مدرسہ اور علی گڑھ سکول کے درمیان ہوا تھا۔ دورِ حاضر کی سودی معیشت کو دوبارہ غیر سودی معیشت میں تبدیل کرنا آسان کام نہیں مگر ممکن ضرور ہے۔ اگر ہم حاملِ قرآن ہو جائیں تو اسلام کی گم گشتہ معاشی جنت کا حصول ممکن ہوسکتا ہے ؎

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا